جماعتِ اسلامی ہند

کیا ہے — اور —
کیا نہیں ہے؟

شعبۂ تنظیم

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

ترتیب

جماعت اسلامی ہند اور فرقہ پرستی	۵
جماعت اسلامی ہند کا دائرۂ کار	۱۱
جماعت اسلامی ہند اور مسلم حکومت	۱۲
جماعت اسلامی ہند اور سیکولرزم و سوشلزم	۱۷
جماعت اسلامی ہند اور فسطائیت و آمریت	۲۰
جماعت اسلامی ہند اور دستور ہند	۲۲
جماعت اسلامی ہند اور بیرونی تنظیمیں	۲۴
پارلیمانی سیاست اور الیکشن	۲۵
طریق نفاذ	۲۷
لوکل باڈیز کے انتخابات میں ووٹ کا استعمال	۲۸

”جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔“ (دستورِ جماعت اسلامی، ص ۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعتِ اسلامی ہند اور فرقہ پرستی

جماعت اسلامی ہند کے بارے میں گزشتہ برسوں میں کچھ باتیں بڑے شدومد سے دہرائی جاتی رہیں اور بعض عناصر کی جانب سے اس کو بالکل غلط طور پر اعتراضات کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ اگر چہ اللہ کے فضل وکرم اور افراد جماعت کے پروقار رویّہ سے رفتہ رفتہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی رہی کہ لوگوں کے سُوالات واعتراضات جماعت کے بارے میں ان کی عدم واقفیت اور غلط فہمی کا یا پھر ان کی دانستہ مخالفت کا نتیجہ تھا۔ تاہم ان سوالات اور ان کے جوابات سے ان تمام باشندگان ملک کو واقف کرادینا مناسب معلوم ہوتا ہے جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے صحیح طور پر واقفیت حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کے تمام سوالات واعتراضات کے متعین جواب آگے کے صفحات میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند فرقہ پرست جماعت ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کس طرح ہے؟ اس کا قطعی اور واضح جواب دینے کی ذمہ داری ان ''قائدین'' اور ''رہنماؤں'' پر عائد ہوتی ہے، جو جماعت پر اس سلسلے میں الزامات لگاتے رہے ہیں، البتہ ہمیں یہی بات معلوم ہے کہ فرقہ پرستی کی رٹ لگانے والے یہ افراد آج تک فرقہ پرستی کی کوئی واضح اور دوٹوک تعریف نہ کرسکے۔ اس صورت میں کیا یہ زیادتی کی بات نہ ہوگی کہ سمجھے بوجھے بغیر فرقہ پرستی کے لیبل کو زبردستی کسی جماعت پر چسپاں کردیا جائے۔ یہ روش اگر آج بعض جماعتوں کے ساتھ اپنائی جارہی ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ آئندہ دوسری جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ نہ اختیار کی جائے گی؟

مختلف فرقوں کے مابین نفرت ودشمنی کی آگ بھڑکائی جائے یا کسی دوسرے گروہ کو

نقصان پہنچا کر اپنے فرقہ کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے، اگر اس چیز کا نام فرقہ پرستی ہے تو جماعت اسلامی اس کی غیر مشروط مذمت کرتی ہے۔ اس جماعت کی دعوت کی بنیاد وحدتِ اللہ اور وحدتِ انسانیت پر ہے۔ سارے انسان ایک خدا کے بندے ہیں، ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، آپس میں بھائی بھائی ہیں اور نسل، ذات، رنگ اور علاقے کی بنیاد پر ان میں تفریق روا رکھنا غلط بھی ہے اور مہلک بھی۔ جماعت اسلامی کے پیغام میں یہ بات اس قدر بنیادی ہے کہ اس کی کوئی دعوتی کتاب اور جماعت کے ذمہ داروں کا کوئی خطاب شاید ہی اس سے خالی ہو۔

جماعت کے اس بنیادی اصول ہی کا نتیجہ ہے کہ جماعت اسلامی کی دعوت ہندوستان کے تمام باشندوں کے لیے عام ہے۔ اس کا لٹریچر مسلمان اور غیر مسلم سب ہی پڑھتے ہیں۔ اس کے اجتماعات میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی شریک ہوتے ہیں، اس کی لائبریریوں اور بک اسٹالوں سے مسلمان اور غیر مسلم سب ہی استفادہ کرتے ہیں۔ اس کی منعقد کی ہوئی مجالس مذاکرہ میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی حصہ لیتے ہیں، اور اس کی تعمیری اور سماجی خدمات سب ہی اہل ملک کے لیے عام ہیں۔

جماعت اسلامی کے طریق کار کی، جس کا ہر رکن پابند ہے، ایک بنیادی دفعہ یہ ہے:

> ''جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔'' (دستورِ جماعت اسلامی، ص۹)

جماعت اسلامی ہند نے تقسیم کے بعد اپنے کام کے لائحۂ عمل میں یہ طے کیا تھا کہ سب سے مقدّم کام یہ ہے کہ اس قومی (فرقہ وارانہ) کشمکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے۔ (دستور جماعتِ اسلامی ہند، ۱۹۴۹ء)

جماعت اسلامی اگست ۱۹۴۱ء میں وجود میں آئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب ہندو مسلم کشمکش شباب پر تھی۔ اس کے بعد صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ ۴۶ء اور ۴۷ء میں بڑے بڑے فسادات ہوئے۔ انہی فسادات کے جلو میں ملک آزاد اور تقسیم ہوا۔ یہ فسادات اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنے وسیع علاقے میں ہوئے کہ لاکھوں افراد ان کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔ ہندو، مسلمان اور سکھ سب ہی اس کی زد میں آئے۔ ان کی بہت بڑی تعداد

فرقہ واریت کے اس سیلاب میں بہہ گئی۔اس پوری مدت میں جماعت اسلامی کا دامن نہ صرف یہ کہ اس فرقہ وارانہ کشمکش اور ان فسادات سے بالکل پاک رہا بلکہ فرقہ وارانہ کشمکش کو دور کرنے، فسادات کو روکنے اور مظلومین کی امداد کرنے کے سلسلے میں جو کچھ بھی اس سے بن پڑا اس نے کیا۔

اس دوران جماعت اسلامی کا جو رویہ رہا اسے آپ درج ذیل ہدایات سے بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو اس کی مجلس شوریٰ نے ستمبر ۴۶ء میں (جب کہ حالات بہت خراب ہو چکے تھے) اپنے تمام ارکان کو دی تھیں:

(۱) عام فسادات کی حالت میں ارکان جماعت کے لیے اپنے تحفظ کا سب سے بڑا ذریعہ ان کا اپنا اخلاقی رویّہ اور ان کا قومی و نسلی ہر طرح کے جاہلی تعصّبات سے بالاتر ہو کر خیر وصلاح کی عملاً دعوت دینا ہے۔اس معاملہ میں ارکان جماعت جتنے زیادہ راست رو اور بے شر ہوں گے، اور جس قدر زیادہ بھلائی کرنے اور بھلائی کی طرف دعوت دینے میں سرگرم ہوں گے، اسی قدر زیادہ فتنۂ عام کی آگ سے ان کا محفوظ رہنا متوقع ہے اور جس قدر زیادہ وہ بے عمل رہیں گے اسی قدر زیادہ خطرے میں رہیں گے۔

(۲) اگر فسادات کی حالت میں کوئی رکنِ جماعت گھر جائے اور اس پر حملہ کیا جائے تو حتیٰ الامکان حملہ آوروں کو نصیحت کرنا چاہیے، اگر اس کا موقع نہ ہو تو وہ اپنی مدافعت کے لیے ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔اس صورت میں اگر اس کے ہاتھ سے کوئی مارا جائے تو مقتول کے خون کی ذمہ داری شرعاً خود مقتول پر ہوگی۔ مدافعت میں ہاتھ اٹھانے والا عنداللہ بری ہوگا اور اگر مدافعت کرنے والا خود مارا جائے تو وہ انشاءاللہ شہید ہوگا۔

(۳) اگر کسی رکنِ جماعت کے سامنے ہندوؤں یا مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی مظلوم پر دست درازی کر رہا ہو تو اس کو روکنے کی اور مظلوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے حتیٰ کہ اس سلسلے میں خود اپنی جان بھی خطرے میں پڑ جائے تو اس خطرے کو انگیز کیا جائے۔

(۴) فسادات کی حالت میں اگر کوئی شخص یا خاندان خطرے میں مبتلا ہو، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ وہ خود پناہ مانگے یا نہ مانگے، اپنی طرف سے کوشش کر کے اسے اپنی پناہ میں لے لیا جائے، اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر بھی اس کی حفاظت کی جائے۔

(۵) فسادات کے زمانہ میں جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملے عامّۃ النّاس کو اور اگر ممکن

ہو تو فسادات بھڑکانے والے سرغنوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، ان کو خدا سے ڈرایا جائے۔ اگر مسلمان ہوں تو ان کو دین کے حقیقی مقصد اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ قومی کشمکش اور اس کے لیے یہ فساد کسی درجہ میں بھی عنداللہ مقبول نہیں ہے اور اگر غیر مسلم ہوں تو ان پر قوم پرستی کے برے نتائج واضح کیے جائیں۔" (روداد اجتماع رام پور ص ۶۴، ۶۵)

الحمدللہ جماعت کے متوسلین نے ان ہدایات کو پورے طور پر ملحوظ رکھا اور اس بحرانی دور میں جب کہ لوگ ہوش وخرد اور اخلاق وانسانیت، سب کچھ کھو چکے تھے، فسادات کو روکنے اور مظلومین کو بچانے کی اپنی سی کوششیں اپنے آپ کو خطرات میں ڈال کر کیں۔ اس کی تفصیلات روداد جماعت حصہ پنجم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ملک کی تقسیم کے بعد بھی فرقہ وارانہ جارحیت اور فسادات کی فضا موجود تھی اور آج تک موجود ہے۔ اس سلسلے میں جماعتِ اسلامی ہند نے جو پروگرام اپنے کارکنوں کو دیا وہ حسب ذیل ہے:

(۱) مسلمانوں میں اس وقت جو خوف وہراس پیدا ہو گیا ہے اس کے ازالہ کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ ان کے اندر تعلق باللہ اور اعتماد علی اللہ کی صحیح کیفیت زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اور اس غرض کے لیے اپنے معروف ومعلوم طریقوں کے تحت ان سے زیادہ سے زیادہ ارتباط پیدا کیا جائے۔

(۲) موجودہ حالات میں ہمارے رفقاء کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ حتی الوسع ہر دو فریق سے ارتباط پیدا کرنے کی کوشش کریں تاکہ فتنہ وفساد رونما نہ ہو سکے۔ اور اگر بدقسمتی سے ان کوششوں کے باوجود کہیں فساد برپا ہی ہو جائے تو ان کو اپنی مقدور بھر بلا تفریق مذہب وملت مظلومین کی حمایت وامداد کرنی چاہیے۔

(۳) اگر کسی مقام پر ریلیف کا کام شروع کرنے کی ضرورت پیش آئے تو مرکز کو حالات سے مطلع کر کے اس کے مشورے کے مطابق امدادی کام بلالحاظ مذہب وملت شروع کر دیا جائے یا اگر کسی دوسری جماعت کی طرف سے اس طرح کا کام شروع ہو چکا ہو تو اس میں اپنے اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے مرکز کو مطلع کر کے شرکت کی جا سکتی ہے۔

(۴) جماعت اسلامی کو جو کام انجام دینا ہے اس میں غیر مسلموں کی شرکت اور ان کا تعاون بھی

ضروری ہے۔ جس حد تک بھی ان کو دعوت سے روشناس کرنے کے مواقع میسر آسکیں، ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، اور اس سلسلے میں ان سے زیادہ سے زیادہ میل جول پیدا کرنا چاہیے تا کہ وہ ہمیں اور ہماری وساطت سے ہماری دعوت کو سمجھ سکیں، یا کم از کم ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے جو آپس کی دوری سے خواہ مخواہ پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔

(روداد مجلس شوریٰ، ص ۳۲، ۳۳)

اس طویل عرصے میں جماعت اسلامی کے کارکن نہ صرف یہ کہ فرقہ وارانہ کشمکش اور فسادات سے شدت کے ساتھ مجتنب رہے اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے فرقہ وارانہ کشمکش کو دور کرنے کی اپنی سی پوری کوشش کی بلکہ فسادات پھوٹ پڑنے کے بعد جماعت کے کارکن برسرِ موقع پہنچے اور انہوں نے مظلوم اور فساد سے متاثر اصحاب کی بلا امتیاز مذہب وملت خدمت کی اور اس طرح کی کہ فرقہ وارانہ فضا مزید خراب ہونے کے بجائے زیادہ سے زیادہ خوشگوار ہو جائے۔

جماعت اسلامی ہند ہندوستان کے طول وعرض میں ہر ایسے موقع پر پہنچی اور اس نے پبلک کے تعاون سے بلا امتیاز فرقہ ومذہب تمام مظلومین کے لیے ریلیف کا حسب وسعت بندوبست کیا۔ فسادات کے مارے ہوئے مظلومین اور آفات ارضی وسماوی کے متاثرین کی امداد اور آبادکاری کے لیے جماعت اسلامی ہند نے جس وسیع اور عظیم پیمانے پر اور جس خوش اسلوبی اور غیر فرقہ وارانہ انداز میں خدمت کی، ملک کے سیاسی اور غیر سیاسی رہنما اور اخبارات ورسائل سب اس کے معترف ومداح ہیں۔

اگر کوئی جماعت یا فرقہ دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر حق وانصاف کے پیش نظر صرف اپنے مفاد یا فلاح کے لیے کام کرتا ہے تو صحیح معنوں میں اس پر فرقہ پرستی کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم پسندیدہ بات یہ ہے کہ کوئی فرد یا جماعت جو کچھ سوچے یا کرے اس کا فائدہ درجہ بدرجہ دوسروں تک بھی پہنچے۔

جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے وہ صحیح وغلط کے امتیاز کے بغیر مسلمانوں کے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لیے نہیں، اسلام کی دعوت واقامت کے لیے اٹھی ہے۔ جماعت ۱۹۴۱ء میں وجود میں آئی تھی۔ جماعت نے کسی ایسی تحریک کا ساتھ نہیں دیا بلکہ مسلمانوں کو بتایا کہ اسلام کے علم بردار ہونے کی حیثیت سے ان کا کام اسلام کے اصولوں پر عمل کرنا اور ان کی طرف

خلق خدا کو دعوت دینا ہے نہ کہ اپنے حقوق ومفادات کے لیے غلط صحیح ہاتھ پیر مارنا۔ ’’مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم‘‘ میں مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے:

’’اس (اسلام) کے نزدیک اسلامی صرف وہ چیز ہے جو اس کے مسلک اور نظریہ کے مطابق ہو اور جو چیز اس کے خلاف ہو اس کو وہ اپنانے سے صاف انکار کرتا ہے خواہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا مفاد اس سے وابستہ ہو۔ لہٰذا اگر آپ اسلام کے مسلک کی خاطر جئیں اور اسی کے قیام کے لیے جدوجہد کریں تب تو یقیناً آپ اسلامی جماعت اور مسلمان گروہ ہوں گے ورنہ صرف اپنے لیے جینے اور اپنے مفاد کے لیے جدوجہد کرنے کی صورت میں اسلام سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہوگا، آپ کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ کام اپنے لیے کریں اور نام اسلام کا لیں۔‘‘ (ص ۵۵)

’’اب اگر آپ ’’اسلامی جماعت‘‘ بن کر رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی اس قومی (فرقہ وار) پالیسی پر نظر ثانی کرنی ہوگی جس پر آپ اب تک چلتے رہے ہیں، اور اسے بالکلیہ بدل کر (اسلام کے) ان مقتضیات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ آپ کو اپنے دماغ سے قومی مفاد کا تصور نکال دینا پڑے گا اور اس کی جگہ اسلام کے اصول اور اس کے نصب العین کو دینی ہوگی۔‘‘ (ص ۵۷)

چنانچہ جماعت اسلامی تقسیم ملک سے پہلے بھی اور آزادی ہند کے بعد بھی فرقہ وارانہ طرز عمل سے بالکلیہ الگ رہ کر اسلام کی پیروی ودعوت میں منہمک رہی، جماعت اسلامی کا دستور، اس کا نصب العین، اس کا طریق کار، ارکان جماعت کی ذمہ داری، ان کا معیار مطلوب، جماعت اسلامی کا لائحہ عمل، پالیسی، پروگرام سب کچھ پڑھ جائیے، فرقہ واریت کا نہیں بلکہ ہر جگہ اسلام اور اس کی تعلیمات ہی کا ذکر ملے گا۔ یہی حال جماعت اسلامی کے لٹریچر اور اس کے ذمہ داروں کے بیانات وخطابات کا ہے۔ یہی معاملہ جماعت اسلامی ہند نے آزادی کے بعد ملک میں اسلام کی دعوت واقامت کے لیے جو چہار نکاتی لائحہ عمل طے کیا تھا اس کی پہلی دفعہ کا خلاصہ یہ ہے:

سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اس قومی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات پہلے ہی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنی قومی اغراض اور مطالبوں کے لیے لڑتے رہے مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا محض غلطی نہیں بلکہ مہلک غلطی اور احمقانہ خودکشی

ہے۔ اپنے حقوق کے استقرار کی جتنی بھی کوششیں کی جائیں گی وہ ملک میں اس غیر معمولی تعصب کواور زیادہ مشتعل کردیں گی جواس وقت غیر مسلم اکثریت کے اندر اسلام کے خلاف پیدا ہوگیا ہے۔'' (خطبۂ مدراس)

جماعتِ اسلامی ہند اس لائحہ عمل پر مسلسل عمل کرتی رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جماعتِ اسلامی ہند نے مسلم پرسنل لا کی منسوخی کے خلاف جدوجہد کی ہے مگر صرف اس لیے کہ مسلم پرسنل لا بنیادی طور پر اسلام کا ایک اہم جزو ہے۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی نے مسلمانوں کے بعض ملی مسائل پر بھی وقتاً فوقتاً اظہارِ خیال کیا ہے، مگر صرف اس لیے کہ اس کے نزدیک وہ اسلام یا انسانیت وانصاف کا تقاضا تھا، چنانچہ اس نے ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر بھی اسی پہلو سے اظہار خیال کیا ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ جماعت اسلامی ہند نے اگست ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی پیچیدہ صورتِ حال پر جو قرارداد منظور کی تھی اسے سیکولر حلقوں نے بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ صحیح وغلط کے امتیاز کے بغیر مسلمانوں کے حقوق ومفادات کے لیے جماعت اسلامی نے کبھی کوئی مہم نہیں چلائی، اس کے سامنے اسلام اور اس کی دعوت ہے بس!

جماعت اسلامی ہند کا دائرۂ کار

انڈین یونین کا ہر شہری، جو جماعت کے عقیدہ، نصب العین، طریقِ کار اور دستور سے متفق ہو جماعتِ اسلامی کا رکن بن سکتا ہے۔ جماعتِ اسلامی کے دستور میں ہے:

''انڈین یونین کا ہر شہری خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ کسی قوم یا نسل سے تعلق رکھتا ہو جماعتِ اسلامی ہند کا رکن بن سکتا ہے۔'' (ص ۱۱)

پھر جیسا کہ پچھلے صفحات میں واضح کیا جا چکا ہے کہ جماعتِ اسلامی مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے عام ہے۔ وہ دونوں کی خدمت کو اپنا فرض خیال کرتی اور دونوں کے حقیقی مسائل کو اپنے مسائل تصور کرتی ہے۔ غیر مسلم مخاطبین کے پیشِ نظر جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے جو ہدایات ہیں وہ اس طرح ہیں:

- اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ۔
- اسلام کا جامع تعارف۔
- جدید افکار ونظریات جو اخلاق وانسانیت کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں، ان کی

مضرّتوں سے انہیں آگاہ کرنا۔

- معروف اخلاقی قدروں کی ترویج واشاعت۔
- باہمی تعلقات کو خوش گوار بنانا۔
- منکرات کے دفعیہ کی کوشش مثلاً شراب نوشی وفحاشی وغیرہ۔
- چھوت چھات، ذات پات، نسل پرستی، لسانی اور صوبائی تعصّبات، طبقاتی وفرقہ وارانہ کشمکش وغیرہ دور کرنے کی کوشش۔

غیر مسلموں میں مذکورہ بالا عمومی کام انجام دینے کے ساتھ ان کی اور مسلمانوں کی ملی جلی منتخب آبادیاں اور محلوں کو خصوصیت سے مرکز توجہ بنایا جائے گا اور مذکورہ بالا کاموں کے علاوہ حسب ذیل کاموں کو بھی ان کے تعاون سے انجام دینے کی کوشش کی جائے گی:

(۱) خدمتِ خلق بالخصوص یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کی امداد۔
(۲) پس ماندہ اور مفلوک الحال لوگوں کو سماجی اور معاشی اعتبار سے اونچا اٹھانے کی اجتماعی کوشش۔
(۳) منکرات کے دفعیہ اور معروف اخلاقی قدروں کی ترویج۔
(۴) امدادی اور رفاہی کاموں کے لیے مقامی طور پر فنڈ اکٹھا کرنا اور اس کے جمع وصرف اور حفاظت کا معقول بندوبست کرنا۔
(۵) صفائی، ستھرائی اور حفظانِ صحت کا اہتمام۔

(جماعتِ اسلامی ہند کا چہار سالہ پروگرام)

یہ ہے وہ عملی پروگرام جو جماعت اسلامی کے کارکنوں کو غیر مسلم بھائیوں کی خدمت و اصلاح کے ذیل میں انجام دینا ہے اور جسے وہ انجام دینے کی کوشش کرر ہے ہیں۔

جماعتِ اسلامی ہند اور مسلم حکومت

جماعتِ اسلامی اول روز سے مسلم حکومت اور اسلامی حکومت میں فرق کرتی آئی ہے۔ وہ پاکستان سمیت تمام مسلمان ملکوں کی حکومتوں کو مسلم حکومت قرار دیتی ہے کیونکہ وہاں مسلمان حکمراں ہیں، اسلامی اصول اور اسلامی نظام حکمراں نہیں۔ جماعتِ اسلامی مسلمان قوم کی نہیں، اسلام کے اصولوں کی سربلندی چاہتی ہے۔

جماعتِ اسلامی کا نصب العین، جیسا کہ اس کے دستور سے واضح ہے، اقامت دین ہے۔ اقامت دین کیا ہے؟ اس کی تشریح خود دستورِ جماعت میں اس طرح کی گئی ہے:

''جماعتِ اسلامی ہند کا نصب العین اقامت دین ہے، جس کا حقیقی محرک صرف رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے۔

تشریح: اقامت دین، میں لفظ دین سے مراد وہ دین حق ہے جسے اللہ رب العالمین اپنے تمام انبیاء کے ذریعہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں بھیجتا رہا ہے اور جسے آخری اور مکمل صورت میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نازل فرمایا اور جواب دنیا میں ایک ہی مستند اور عنداللہ مقبول دین ہے۔

یہ دین انسان کے ظاہر و باطن اور اس کی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی گوشوں کو محیط ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاق سے لے کر معیشت، معاشرت اور سیاست تک انسانی زندگی کا کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے دائرے سے خارج ہو۔

یہ دین جس طرح رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا ضامن ہے اسی طرح دنیوی مسائل کے موزوں حل کے لیے بہترین نظام زندگی بھی ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی صالح اور ترقی پذیر تعمیر صرف اسی کے قیام سے ممکن ہے۔

اس دین کی اقامت کا مطلب یہ ہے کہ کسی تفریق و تقسیم کے بغیر اس پورے دین کی مخلصانہ پیروی کی جائے اور ہر طرف سے یکسو ہو کر کی جائے اور انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں میں اسے اس طرح جاری و نافذ کیا جائے کہ فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل سب کچھ اسی دین کے مطابق ہو۔ (ص ۸، ۹)

دستور جماعت کے اس اقتباس سے حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین حق ہے جو بلا استثناء تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آیا ہے۔

(۲) اس دین پر چل کر ہی اللہ کی رضا اور آخرت کی کامرانی حاصل ہو سکتی ہے۔

(۳) یہ دین نوع انسان کے دنیوی مسائل کے حل کے لیے بہترین نظام زندگی ہے۔

(۴) یہ دین انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے، اور فرد، سماج اور ریاست سب کی اصلاح اور ترقی پذیر تعمیر اس دین کی پیروی میں مضمر ہے۔

(۵) جماعتِ اسلامی کا نصب العین یہ ہے کہ افراد اس دین کی مخلصانہ پیروی کریں، سماج اس دین کے سانچے میں ڈھلے اور آخرکار سماج کے نمائندہ ادارہ کی حیثیت سے ریاست کی تعمیر اس دین کے اصولوں کے مطابق ہو۔

اس تشریح سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ جماعت اسلامی ایک دینی جماعت ہے، جس کے پیشِ نظر اسلامی اصولوں کا اتباع اور ان کا احیاء واعلاء ہے۔ اس کے لیے وہ فرد اور سماج کی اصلاح اور تعمیر کردار کے لیے کوشاں ہے۔ جہاں تک اسلامی ریاست کی بات ہے اس کی تشکیل تو اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ سماج یا اس کی اکثریت حق پرستی کے نظریات کو قبول کرکے اپنے آپ کو ان کے سانچے میں ڈھال لینے کے لیے آمادہ اور کوشاں ہو۔ دستورِ جماعت میں ''ارکان جماعت کی ذمہ داریوں'' کے مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت جماعت کے سامنے صرف دو کام ہیں: خود کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا اور سماج میں اپنے نظریات وافکار کی اشاعت کرنا۔ (دستورِ جماعت، ذمہ داریاں)

دستور جماعت میں طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> ''جماعت اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تعمیری اور پرامن طریقے اختیار کرے گی۔ یعنی وہ تبلیغ وتلقین اور اشاعت افکار کے ذریعہ ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامّہ کی تربیت کرے گی۔'' (ص ۱۰)

اگر تبلیغ وتلقین کے نتیجے میں کوئی سماج اسلام کے اصول ونظریات کو صحیح سمجھ کر ان کے مطابق ریاست کی تشکیل کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے تو یہ عین جمہوریت ہے لیکن اگر وہ اسلام کے اصولوں کو اپنانے کے لیے تیار نہ ہو تو کون ہے جو یہ اصول بہ زور منوا سکے۔

اور معقول بات بھی یہی ہے کہ مذہب کو زندگی کے کسی مخصوص خانے میں محدود نہ رکھا جائے، بلکہ اس کی رہ نمائی کو اجتماعی معاملات میں بھی قبول کیا جائے۔ جو لوگ خدا اور اس کی رہ نمائی کو نہیں مانتے ان کے لیے تو یہ زندگی ہو یا وہ زندگی، وہ دونوں زندگیوں کے سلسلے میں خدائی ہدایات سے بے نیاز رہتے ہیں، لیکن جنھیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ کائنات، زمین اور انسان

سب خدا کے پیدا کردہ ہیں، خدا کائنات، زمین اور انسان کا پروردگار، مالک اور حاکم ہے، انسان زندگی کی ایک ایک سانس کے لیے اس کا دستِ نگر اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی ہدایت و رہ نمائی کا محتاج ہے اور زندگی کا جو شعبہ بھی دین و اخلاق سے بے نیاز ہو کر گزارا جائے گا وہ تباہ ہو جائے گا اور انسانی زندگی کے لیے بے شمار مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کردے گا، ایسے لوگ زندگی کو پرائیویٹ اور پبلک دو دائروں میں تقسیم کرکے پبلک زندگی کی دین و اخلاق سے بے نیازی کو کس معقول بنیاد پر صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ نظریے کا تو تقاضا یہ ہے کہ پرائیویٹ زندگی کی طرح پبلک زندگی کو بھی دین و اخلاق کی روشنی سے منور کریں۔ اور یہ وہ نقطۂ نظر ہے جس کی خود گاندھی جی، ڈاکٹر رادھا کرشنن اور ہندوستان کے دوسرے سنجیدہ مذہبی مفکرین اور رہنماؤں کے خیالات میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

اس بارے میں اسلامی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ اسلام عقائد و عبادات کی طرح اخلاق، معاملات، معاشرت، معیشت اور سیاست غرضیکہ تمام شعبہ ہائے حیات کے لیے ہدایات دیتا ہے۔ وہ انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ کسی تفریق اور تقسیم کے بغیر اس کی تمام ہی ہدایات کی پیروی کرے اور اجتماعی زندگی سمیت اپنے پورے وجود کو اللہ کی رضا اور اس کے بھیجے ہوئے دین کے حوالے کردے۔ قرآن و حدیث اور اسلامی قانون کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اسی نتیجے پر پہنچے گا۔

کہا جاتا ہے کہ پبلک لائف میں مذہب کے در آنے سے فتنہ و فساد پھیلتا ہے۔ اگر سماج کو جنگ و جدال سے محفوظ رکھنا ہے تو مذہب کو پرائیویٹ زندگی کے دائرے تک محدود رکھنا ہوگا۔ لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی واقعات عالم سے تائید نہیں ہوتی۔ کئی سو برس سے یورپ میں مذہب کو پرائیویٹ زندگی تک محدود کردیا گیا ہے لیکن اس کے نتیجے میں کیا جنگ و جدال کا دروازہ بند ہو گیا؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس دور میں انسان کو پے بہ پے جنگوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یورپ کی مختلف قومیں، جو ایک ہی مذہب کی ماننے والی تھیں، باہم دست و گریباں رہیں۔ پھر یہ قومیں، انھیں اور انہوں نے سامراجی طاقت بن کر ایشیا اور افریقہ میں جنگ و جدال کا بازار گرم کیا اور مشرقی اقوام پر وہ لرزہ خیز مظالم توڑے کہ ان کے تصور سے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لادینیت کے اس دور میں جنگ عظیم اور جنگ عالم گیر جیسی دو تباہ کن جنگیں ہوئیں جنھوں نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ جنگیں مذہب و اخلاق کا

نتیجہ تھیں یا پبلک زندگی سے مذہب واخلاق کو خارج کرنے کا؟ اور آج بھی جن ملکوں میں ناروا کش مکش برپا ہے کیا درحقیقت وہ مذہب کا نتیجہ ہے؟ ہندوستان میں نکسلی اور ان کے ہم خیال نیز علاقائی اور لسانی عصبیتوں کے علم برداروں کی سرگرمیوں سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں کیا یہ سب بھی مذہب واخلاق کا نتیجہ ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر طرح کے فتنہ وفسادات، خدانا ترسی، لادینیت، بدکرداری، مفاد پرستی اور ناانصافی کے نتائج سے ہوئے ہیں۔ اور ان کا ازالہ صحیح معنوں میں خدا ترسی، دین واخلاق اور آخرت طلبی ہی سے ممکن ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ماضی قریب میں ہندوستان میں مذہب کے نام پر بہت سے جھگڑے ہوئے ہیں مگر یہ جھگڑے پبلک زندگی میں مذہبی تعلیمات کی پیروی کا نتیجہ نہیں، مذہب سے انحراف کا نتیجہ تھے۔ ان جھگڑوں میں مذہب کا نام لے کر مذہبی تعلیمات کی خلاف ورزی کی گئی، مذہب ہی کو نہیں بلکہ اسی طرح آزادی، جمہوریت، سوشلزم اور کمیونزم کا بھی غلط طور سے استعمال کیا جاتا رہا ہے اور اس سے بھی ہمارے ملک میں اور دنیا میں فتنہ وفساد کا فروغ ہوا ہے

کہا جاتا ہے کہ اگر مذہب کو پبلک زندگی میں لے آیا گیا تو اس سے ملک کی ترقی رک جائے گی، مسائل الجھ کر رہ جائیں گے اور ملک رجعت پسندی اور دقیانوسیت کا شکار ہو جائے گا۔ مگر یہ خیال درست نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ رجعت پسندی اور دقیانوسیت کا مقابلہ نظر وفکر اور استدلال کے میدان میں کرنا چاہیے۔ پھر یہ بات کچھ مذاہب کے حق میں صحیح ہو تو ہو، کم از کم اسلام کے حق میں یہ صحیح نہیں ہے۔ مظاہر سے قطع نظر عصر حاضر کا جو کچھ بیش بہا جوہر ہے وہ سب بھی اسلامی تعلیمات میں موجود ہے اور اسلام میں اس کے سوا تعمیر وارتقاء کا اور بھی سامان ہے۔ نوع انسانی کی وحدت، انسانی بھائی چارہ، امن، عدل، مساوات، اونچ نیچ اور چھوت چھات کا استیصال، عوام کے سیاسی ومعاشی حقوق کا تحفظ، سرمایہ دارانہ استحصال کا خاتمہ، عوام کی مرضی سے حکومت کی تشکیل، سماج میں عورت کا باعزت مقام، تعلیم کی عمومیت، آزادی فکر وعمل، توہمات سے بچ کر عقل کی روشنی میں امور کا فیصلہ، یہ باتیں جو عصر حاضر کا جوہر سمجھی جاتی ہیں یہ سب باتیں اسلام میں موجود بلکہ فی الواقع اسی کی تعلیمات کا پرتو ہیں۔

جماعتِ اسلامی ہند اور سیکولرزم و سوشلزم

ابھی ہم نے بتایا تھا کہ عصر حاضر کا جوہر کیا ہے اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات میں بھی موجود ہے، پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی پیروی اور اس کی دعوت و تبلیغ سے ملک کی اجتماعی زندگی بگڑ جائے گی۔

کہا جاتا ہے کہ ملک کی اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ سیکولرزم، جمہوریت اور سوشلزم پر قائم ہے اور جماعت اسلامی ان اصولوں کی نفی کرتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں جماعت کا موقف کیا ہے؟

جماعت اسلامی سیکولرزم، جمہوریت اور سوشلزم کی ہر معنیٰ میں نفی نہیں کرتی ہے۔ سیکولرزم کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ مذہب کو زندگی سے بے دخل کر دیا جائے۔ ہر دینی جماعت کی طرح جماعت اسلامی اس تصور کی مخالفت کرتی اور اسے ملک کے لیے مہلک خیال کرتی ہے اور ملک کے عظیم اور سنجیدہ مفکر اس معاملہ میں جماعت اسلامی کے ہم نوا ہیں۔

سیکولرزم کے سلسلے میں جماعت کی جولائی ۱۹۶۱ء میں مجلسِ شوریٰ کی طرف سے منظور شدہ قرارداد سے اس کا نقطۂ نظر واضح ہے:

> ''لیکن اگر سیکولرزم کا یہ مطلب لیا جائے جیسا کہ ذمہ دار حلقوں کا دعویٰ ہے کہ حکومتی کاروبار میں کسی مذہبی فرقہ کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جائے اور سب کے ساتھ بلا امتیازِ مذہب و ملت یکساں برتاؤ ہو اور سب کو یکساں مواقع حاصل رہیں، جماعت نے اس تخیل کی کبھی مخالفت نہیں کی ہے۔''
>
> (روداد مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند۔ص ۱۹۷)

جماعتِ اسلامی ہند انسانوں کو اسلام کی دعوت دینے والی جماعت ہے، اسے اس بات پر پورا بھروسہ ہے کہ اگر دستورِ ہند کی مذکورہ بالا خصوصیات قائم رہیں اور باشندگانِ ملک کے ساتھ ان کے پروردگار کی بھیجی ہوئی ہدایت اسی طرح پیش کی جائے جیسا کہ اس کا حق ہے اور اسلام کی دعوت دینے والے اپنی سیرت و کردار سے بھی اسلام کا نمونہ پیش کریں تو یہاں جو لوگ پہلے سے مسلمان ہیں وہ سچے مسلمان بن کر اسلامی زندگی کا بڑے پیمانے پر مظاہرہ کریں گے اور

جن لوگوں نے اب تک حق کو نہیں پہچانا ہے وہ بھی اسے پہچان لیں گے، اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی، معاشرت وطرزِ حکمرانی، سب کچھ ہدایت الٰہی کے مطابق منظّم ہو سکے گی انشاء اللہ۔

بہرحال یہ ہے سیکولرزم کے بارے میں جماعتِ اسلامی کا نقطۂ نظر! اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جمہوریت کے بارے میں جماعتِ اسلامی کا نظریہ کیا ہے۔ رہی آمریت و فسطائیت اور اس کے مقابلے میں جمہوریت کی بات تو ملک کے اہل علم و دانش حضرات بخوبی واقف ہیں کہ جماعت مقدّم الذکر، آمریت وفسطائیت، دونوں کی شدید مخالف ہے، رہا جمہوریت کا سوال تو اس معاملے میں وہ جمہوری حاکمیت کے بجائے جمہوری خلافت کا نقطۂ نظر رکھتی ہے۔ اسلامی نظام کی بنیاد اللہ کی حاکمیت اور اس کی قانون سازی کے بعد عوام کی خلافت پر ہوتا ہے، یعنی اجتماعی نظام عوام کی مرضی سے ان کے حسب منشا قائم کیا جاتا ہے۔ عوام کے معتمد نمائندے ہی ان کے حکمراں ہوتے ہیں۔ اللہ کے دین کے تحت قانون سازی عوام کے نمائندے ہی کرتے ہیں اور وہ اللہ کے ساتھ عوام کے سامنے بھی جواب دہ ہوتے ہیں۔ اس طرح اسلام میں آمریت وفسطائیت کے بجائے جمہوریت ہے مگر یہ جمہوریت مطلق العنان اور لادین و بے اخلاق جمہوریت نہیں، دین واخلاق کی پابند جمہوریت ہے۔

''جماعتِ اسلامی کی دعوت'' میں جماعت کے اس بنیادی اصول کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''ہم جمہوری حاکمیت کے بجائے جمہوری خلافت کے قائل ہیں، شخصی، بادشاہی اور امیروں کے اقتدار اور طبقوں کی اجارہ داری کے ہم بھی اتنے ہی مخالف ہیں جتنا موجودہ زمانہ کا کوئی بڑے سے بڑا جمہوریت پرست ہو سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں تمام لوگوں کے یکساں حقوق، مساویانہ حیثیت اور کھلے مواقع پر ہمیں بھی اتنا اصرار ہے جتنا مغربی جمہوریت کے کسی بڑے سے بڑے حامی کو ہو سکتا ہے۔ ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حکومت کا انتظام اور حکمرانوں کا انتخاب تمام باشندوں کی آزادانہ مرضی اور رائے سے ہونا چاہیے، ہم بھی اس نظام کے سخت مخالف ہیں جس میں لوگوں کے لیے اظہارِ رائے کی آزادی، اجتماع کی آزادی اور سعی وعمل کی آزادی نہ ہو، یا جس میں پیدائش، نسل یا طبقات کی بنا پر بعض لوگوں کے لیے مخصوص حقوق اور بعض دوسرے لوگوں کے لیے مخصوص رکاوٹیں ہوں۔ یہ امور جو جمہوریت کا اصل جوہر ہیں، ان میں ہماری جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو

اہل مغرب نے سکھائی ہو۔ہم اس جمہوریت کو اس وقت سے جانتے ہیں اور دنیا اس کا بہترین عملی نمونہ دیکھ چکی ہے جب کہ مغربی جمہوریت پرستوں کی پیدائش میں ابھی سیکڑوں برس کی دیر تھی، دراصل ہمیں اس نوخیز جمہوریت سے جس چیز میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ وہ جمہور کی مطلق العنان بادشاہی کا اصول پیش کرتی ہے۔"

(جماعتِ اسلامی کی دعوت۔ص ۲۲، ۲۳)

یہ ہے جمہوریت کے بارے میں اسلام اور جماعت اسلامی کا نقطۂ نظر! رہی ملک کے موجودہ نظام جمہوریت کی بات تو اس کے سلسلے میں ہمارے موقف کو درج ذیل اقتباس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔"جماعتِ اسلامی کا چہار سالہ پروگرام" میں ہے:

"آزادی رائے وضمیر: آزادی رائے وضمیر ہر انسان کا فطری حق ہے اور ملک کی صحیح تعمیر وترقی نیز جماعتِ اسلامی کی خود اپنی سرگرمیوں کے جاری رہنے کے لیے ملک میں اس کا قیام وبقا ایک ناگزیر شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے ان کوششوں کی مذمت کرنا جن کے نتیجے میں کلیت پسندی اور آمریت کے رجحانات فروغ پاسکیں اور ان کے مقابلے میں ان کوششوں کی تائید کرنا جن سے ملک میں آزادیِ رائے وضمیر اور جمہوریت کو فروغ حاصل ہو اور بوقت ضرورت اس کے لیے رائے عامہ ہموار کرنا ہمارے پروگرام کا ایک جزء ہوگا۔" (ص ۱۱، ۱۲)

سیکولرزم اور جمہوریت کے بعد اب تیسری بنیاد سوشلزم کو لیجیے۔اس کی ایک دوسرے سے مختلف ومتضاد بے شمار تعبیریں ہیں۔اس کی ایک تعبیر چین، روس اور دوسرے کمیونسٹ ممالک میں کی گئی، جو الحاد، مذہب دشمنی، کلیت پسندی وآمریت اور آزادیِ رائے وعمل وتنظیم کی نفی پر مبنی ہے اور جو تمام ذرائع پیداوار کو اسٹیٹ کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ جماعتِ اسلامی کو اس سوشلزم سے اختلاف ہے۔وہ اسے جمہوریت اور اس کی بنیادی قدروں کے لیے مہلک خیال کرتی ہے، لیکن اگر سوشلزم کا مطلب سماجی انصاف (SOCIAL JUSTICE) لیا جائے جیسا کہ دستورِ ہند کے PREAMBLE میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ عوام کو یکساں معاشی مواقع حاصل ہوں، سرمایہ دارانہ استحصال کا خاتمہ ہو، افراد اور طبقات کے درمیان معاشی تفاوت بڑھنے کے بجائے کم ہوتا چلا جائے اور بحیثیت مجموعی ملک کی معاشی سطح بلند اور ملک کے عوام خوشحالی سے ہم کنار ہو جائیں تو یہ پسندیدہ اور مطلوب چیز ہے اور اس کی کبھی مخالفت نہیں کی گئی۔ جماعت انسانوں

کے معاشی مسائل کوقرار واقعی اہمیت دیتی ہے، وہ سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ استحصال کولعنت سمجھتی ہے، عوام کے معاشی مسائل کے حل کے لیے ایمان وکردار اوراخلاقی تربیت کے ساتھ جماعت بقدرضرورت ریاست کی مداخلت کی بھی قائل ہے اور بقدرضرورت اہم اور بنیادی صنعتوں کے نیشنلائزیشن کوبھی غلط خیال نہیں کرتی البتہ وہ سوشلزم کے نام پر دین واخلاق سے بے نیازی، عوام کی آزادیِ فکروعمل کے خاتمے یا حکومت کی بے جامداخلت کوصحیح نہیں سمجھتی، ساتھ ہی اسے اس کا یقین ہے کہ عوام اورارباب حکومت کی اخلاقی اصلاح اورتعمیرِ کردار کے بغیر صرف قانونی اقدامات سے مسائل سلجھ نہیں سکتے۔

جماعتِ اسلامی ہنداورفسطائیت وآمریت

کیا آپ کسی ایسی فوج یانیم فوجی تنظیم سے واقف ہیں جس کے رضا کارنہ ہوں، جس کے ممبروں کی وردی اور بیجز نہ ہوں، جو پریڈاورفوجی مشق نہ کرتے ہوں اور جنہیں ہتھیار لے کر چلتے کبھی دیکھانہ گیاہواور جنھوں نے صاف وصریح الفاظ میں اپناطریق کار یہ طے کردیا ہوکہ وہ پرامن اورتعمیری ذرائع ہی اختیارکریں گے۔ کیاکسی ایسی جماعت کوبھی فوجی یانیم فوجی تنظیم کہاجاسکتا ہے؟

اسی طرح جماعتِ اسلامی ہند کے غیرجمہوری، فسطائی اورآمرانہ ہونے کی بات ہے۔ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے جماعت کے دستور، اس کی پالیسی وپروگرام اوراس کی ورکنگ کی ہوانہ لگی ہو۔

جماعتِ اسلامی ہند کا اردو اورانگریزی وغیرہ میں مطبوعہ دستور موجود ہے۔ ''نظامِ جماعت'' کے تحت اس کی پہلی دفعہ کاپہلا جملہ یہ ہے:

''جماعتِ اسلامی ہند کانظام شورائی (جمہوری) ہوگا۔'' (ص ۱۰)

جماعتِ اسلامی کے مرکزی نظام کاذکر دستورِ جماعت میں اس طرح کیا گیا ہے:

''دفعہ ۱۱: مرکزی نظام حسب ذیل اجزاء پر مشتمل ہوگا:

(۱) مجلسِ نمائندگان (۲) امیر جماعت (۳) مرکزی مجلسِ شوریٰ

(۴) قیمّ جماعت۔'' (ص ۱۰)

اس میں قیم جماعت (سکریڑی جنرل) کے علاوہ جس کا مجلس شوریٰ کی رایوں کو سامنے رکھ کر تقرر کیا جاتا ہے، باقی تینوں نظام انتخابی ہیں۔ مجلسِ نمائندگان جو امیر (صدر) اور مرکزی مجلس شوریٰ (سنٹرل ایڈوائزی کمیٹی) کا انتخاب کرتی ہے، جماعت اسلامی کے ممبران کی منتخب کردہ ہوتی ہے۔

''اس جماعت کی ایک مجلس نمائندگان ہوگی جو ارکان جماعت کے منتخب نمائندوں اور امیر جماعت اور قیم جماعت پر مشتمل ہوگی۔'' (دستور، ص ۱۰)

آگے طریق انتخاب درج ہے: ہر چار سال کے بعد ارکان جماعت کی مطبوعہ فہرست کو سامنے رکھ کر، جو ہر رکن جماعت کے پاس ہوتی ہے، ارکان جماعت پورے ملک سے مجلس نمائندگان کے ارکان کا انتخاب کرتے ہیں، فیصلہ کثرتِ رائے سے ہوتا ہے، پھر یہ مجلس نمائندگان اپنے اجلاس میں غور وفکر اور بحث وتمحیص کے بعد امیر جماعت اور مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب کرتی ہے، یہاں بھی فیصلہ اتفاق رائے یا کثرت رائے سے ہوتا ہے۔ جماعت کا دستور بننے کے بعد کئی بار امیر اور شوریٰ کا انتخاب ہوا ہے۔

مجلسِ نمائندگان اور مجلسِ شوریٰ میں باہمی مشورے سے جماعت کے دستور اور پالیسی و پروگرام سے متعلق اہم امور طے ہوتے ہیں اور عموماً فیصلے مجرد کثرت رائے سے ہوتے ہیں، بعض فیصلوں میں زیادہ کثرت رائے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ملاحظہ ہو دستور جماعت، مجلس نمائندگان، اور مرکزی مجلس شوریٰ)

مرکزی نظام کے بعد جماعت کا حلقہ وار (ریاستی) نظام ہے، ان تنظیمی حلقوں کے امیر (صدر) ارکانِ جماعت کے مشوروں کو سامنے رکھ کر مقرر کیے جاتے ہیں۔ (دستور ص ۳۱) ان امراء کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ جو حلقے کے عام ارکان کی منتخب کردہ ہوتی ہے اور امراء حلقہ جات بھی حلقوں کی مجلس شوریٰ کے مشوروں کے تحت ہی حلقہ میں جماعت کا کام کرتے ہیں۔ (دفعہ ۵۰) اور حلقہ کے مجلس شوریٰ میں بھی فیصلے اتفاق رائے یا مجرد کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ (ص ۳۲)

مقامی جماعتوں کے امراء بھی جماعتی امور میں مقامی ارکان سے مشورے کے پابند ہوتے ہیں۔ (دفعہ ۵۴) الغرض جماعت اسلامی کا پورا نظام اوپر سے نیچے تک جمہوری و شورائی ہے اور سارے امور باہمی مشوروں سے طے ہوتے ہیں۔ یہاں نہ کوئی فسطائیت ہے نہ آمریت

شخصیت پرستی۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے اور اس کی ہر چیز علانیہ ہے۔ اس کا دستور ابتدا ہی سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے، جس میں جماعت کے عقیدہ، نصب العین، طریق کار، ارکان جماعت کی ذمہ داریوں اور جماعت کے تنظیمی ڈھانچہ کی پوری تفصیل درج ہے۔ جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ شورائی و جمہوری ہے، اس لیے جماعت کے نظم کے سلسلے میں کوئی چیز نہ خفیہ ہے نہ خفیہ رہ سکتی ہے۔ جماعت کے ارکان کی مکمل فہرست ہر چار سال کے بعد طبع ہوتی رہتی ہے۔ جماعت کی پالیسی اور پروگرام مطبوعہ شکل میں ہر جگہ دستیاب ہوتے ہیں۔ جماعت کی مرکزی اور حلقہ جاتی مجالس شوریٰ جو فیصلہ کرتی ہیں وہ سب شائع ہوتے ہیں۔ جماعت کے اجتماعات میں بلالحاظ مذہب وملت، مسلم وغیر مسلم، سب کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اور سب ہی ان میں شریک ہوتے ہیں۔ جماعت کا ایک وسیع لٹریچر ہے جو اردو، ہندی، انگریزی اور ملک کی تمام اہم زبانوں میں موجود ہے۔ جماعت کا یہ لٹریچر بلا امتیاز مسلمانوں، غیر مسلموں، پبلک اور اربابِ حکومت، سب کے لیے عام ہے اور کھلی مارکیٹ میں ملتا ہے۔ خود جماعت کے متوسلین اس لٹریچر کو گھر گھر پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر جماعت اسلامی اصلاً ایک دعوتی جماعت ہے اور اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پیغام کو زیادہ سے زیادہ بندگان خدا تک پہنچائے۔ اس غرض کے لیے وہ لٹریچر کے علاوہ اجتماعات، مذاکرات، اخبارات ورسائل الیکٹرانک اور سوشل میڈیا اور تبادلۂ خیال کے تمام ذرائع استعمال کرتی ہے۔ جماعت کا یہ کام شہروں سے لے کر دیہات تک مسلمانوں اور غیر مسلموں سب میں پھیلا ہوا ہے۔

جماعتِ اسلامی ہند اور دستور ہند

سب سے پہلا غور طلب سوال یہ ہے کہ دستور کو ماننے کا مطلب کیا ہے؟ اگر دستور کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے خدائی قانون کی طرح مقدس، بے خطا اور ناقابل ترمیم و تنسیخ مانا جائے تو کوئی شخص بھی دستور ہند کے بارے میں یہ تصور نہیں رکھتا۔ خود دستور کے واضعین نے اسے یہ مقام نہیں دیا ہے، دستور میں ترمیم و تنسیخ کی گنجائش رکھ کر انھوں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اس دستور میں ترمیم و تنسیخ کی جاسکتی ہے اور اہل ملک اور ارباب سیاست سب نے اسے اسی حیثیت میں قبول کیا ہے۔ دستور ہند کی تشکیل کے بعد سے لے کر اب تک برسر اقتدار پارٹی اور حزب مخالف دونوں کی طرف سے دستور میں ترمیم کی کوششیں ہوتی رہی ہیں اور جن کے نتیجے میں اس کے اندر متعدد

تبدیلیاں ہوچکی ہیں۔اس سے یہ حقیقت واضح ہے کہ دستور ہند کوئی نا قابل ترمیم شے ہرگز نہیں ہے،، جمہوری و آئینی ذرائع سے ترمیم کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

کسی بھی جمہوری ملک میں دستور کو ''ماننے'' کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسے قابل ترمیم سمجھنے کے باوجود عملاً اس کی اور اس کے تحت وضع کردہ قوانین کی پابندی کی جائے۔آئین کے تحت قائم شدہ حکومت کو تسلیم کیا جائے، دستور اور حکومت میں تبدیلی کے لیے آئینی ذرائع پر اکتفا کیا جائے اور قانون شکنی اور جبر و تشدد کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹنے سے پرہیز کیا جائے۔

جب دستور کو ماننے کا یہ مطلب ہے، اور اس کے سوا نہ از روئے آئین اور کوئی مطلب ہوسکتا ہے اور نہ اس سے زیادہ کسی مطالبہ کو جمہوری اور معقول کہا جاسکتا ہے تو بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جماعت اسلامی ہند نہ صرف یہ کہ دستور کو مانتی ہے بلکہ دوسری جماعتوں سے زیادہ مانتی ہے۔ ہندوستان کی دوسری جماعتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے قانون شکنی کی راہ اختیار کرتی ہیں اور وہ اسے صحیح سمجھتی ہیں لیکن جماعت اسلامی نے اپنی پوری تاریخ میں کبھی قانون شکنی کی راہ اختیار نہیں کی، نہ وہ اسے صحیح خیال کرتی ہے۔اس میں شک نہیں کہ جماعت اسلامی خدائی ضابطۂ حیات ہی کو حق باور کرتی ہے، اس کی کوشش ہے کہ ہمارا پورا انفرادی و اجتماعی نظام الٰہی ہدایت کے تحت چلے اور جو قانون سازی بھی ہو خدائی ہدایات کے تحت ہو، لیکن وہ یہ سارا کام عوام کی مرضی سے پُر امن، آئینی اور تعمیری ذرائع سے انجام دینے کی قائل ہے۔جب تک ایسا نہ ہو ملکی قوانین کی پابندی کی جائے گی اور قانون شکنی اور جبر و تشدد کی راہ اختیار نہ کی جائے گی۔ ''تحریکِ اسلامی ہند'' میں جماعت اسلامی کے اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

> ''عام ملکی قوانین کی عملی پابندی کا یہ مسلک اس نے کسی مصلحت یا سیاسی ضرورت کی بنا پر نہیں اختیار کیا ہے بلکہ خود اسوۂ انبیاء ہی کی روشنی میں اختیار کیا ہے، بلکہ اس اسوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلط نظام جب تک قائم و نافذ ہو اس وقت تک اس کے عام قوانین کی عملی پابندی سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔'' (ص ۱۴۷، ۱۴۸)